Dyal Singh Journal of Humanities and Social Sciences (DSJHSS)
Vol. 1, No. 1, 2023, pp. 26-40
ISSN (P): 3006-6522
ISSN (E): 3006-6530

An Analytical Study of methodology of epitomization from Qiraat-e-Quraaniah by Sayyed Ameer Ali in Tafseer Muwahib-Ul-Rahman

Dr. Mahboob Alam Farooqui[1]

Muhammad Yousaf[2]

Abstract

Received: 18-02-23

Reviewed: 24-04-23

Accepted: 20-06-23

Published: 30-06-23

It is clear from the fact that Allah has revealed the Quran in seven letters. And there are many things hidden in it. These are important to make Quranic readiness easier for people who read, and translate translation of Quranic words, in the contemporary interpretation of the meaning of Wafa'am and Ahmah Mussel, to smooth the path of extravagance and ease for the Umrah period. There are many such sciences that stand on the basis of different types of trees. These verses are explaining the meaningful meaning of Quranic interpretation in the Qur'aan, based on the verses of the Qur'aan, a faqha is a knowledge of a profession in the verses of the Quran, that is, in fact, the interpretation of Salaf is mentioned in the verses, On the basis of them, the Koran receives discrimination and Ejaz, which is mentioned in Koran in case of Kaafir's challenge

و ان كنتم فی ريب مما نزّلنا علىٰ عبدنا فاتوا بسورة من مثلہ وادعوا شہدآء كم من دون الله ان كنتم صادقين. فان لم تفعلوا ولن تفعلوا

And if you suspect that this book which we ascend to our servant, it is not ours, so make one Surah like it, call our new ones, except for Allah Take the help you want, if you are truthful then do this work, but you did not do this and could never believe." In relation to knowledge, other scholars and scholars (interpretation, jurisprudence, problems, beliefs, knowledge, knowledge and virtue of Muslim tradition) will be cleared.

Keywords: Quran in seven letters, interpretation, translation of Quranic words

This is an open access article distributed under the terms of CC-BY-4.0, which permits unrestricted use, distribution, reproduction, and adaptation in any medium and for any purpose with proper attribution to the original author(s), title, journal, and URL.

[1] Khateeb, Pakistan Army
[2] PhD Scholar, UET Lahore

ISSN (P): 3006-6522
ISSN (E): 3006-6530

موضوع کا تعارف

قرآن کریم کی تفہیم کے لئے آنحضور ﷺ کے زمانہ سے لیکر آج تک اسکی تشریح وتفسیر بیان کی گئی ہے۔ آج کے دور تک ہزاروں تفاسیر مفسرین نے لکھی ہیں۔ ہر مفسر نے ایک الگ اور منفرد اسلوب اور منہج اپنایا ہے۔ آج سے تقریباً 120 سال پہلے 1902ء میں سید امیر علیؒ نے برصغیر میں تفسیر "مواھب الرحمان" اردو زبان میں لکھی جب اردو زبان ارتقائی دور میں انگڑائیاں لے رہی تھی۔ سید امیر علیؒ نے سابقہ تمام عربی اور فارسی تفاسیر سے اپنی تفسیر کی تالیف کے دوران رہنمائی لی ہے اور اپنی تفسیر میں جہاں لغت ونحو، اسرائیلیات اور احادیث وآثارِ صحابہ سے استفادہ کیا ہے وہیں آپؒ نے علم قرآت سے بھی بھرپور استفادہ کیا اور تفسیر میں قرآت قرآنیہ سے استدلال کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا آپ نے مختلف قرآت کو ذکر کرتے وقت ان کی صحت وتواتر کا خیال رکھا ہے؟ آپ نے قرآت کے بنیادی ماخذ کی طرف کیا رجوع کیا ہے؟ اور قرآت سے تفسیری استدلال میں کونسا منہج اختیار کیا ہے۔ درج ذیل صفحات میں ان سوالوں کا جواب اس مقالہ بعنوان: "سید امیر علیؒ کا تفسیر مواھب الرحمان میں قرآت قرآنیہ سے استدلال کے منہج کا تجزیاتی مطالعہ" میں تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اسلوبِ تحقیق:

اس مقالہ میں تجزیاتی منہجِ تحقیق اپنایا گیا ہے۔ تحقیقی مقاصد کے لئے مواد کو تجزیاتی اور بیانیہ اسلوبِ تحقیق میں تحریر کر دیا گیا ہے۔ غیر ضروری طوالت سے اجتناب کیا گیا ہے۔ تفسیر مواھب الرحمان میں سید امیر علیؒ نے قرآت قرآنیہ سے جو استفادہ کیا اس کے متعلقہ مواد کو ملخص کر کے پیش کیا گیا ہے۔ اس موضوع پر بنیادی کتب سے مواد کو اخذ کر کے احاطہ تحریر میں پیش کیا گیا ہے اور اس کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔ حوالہ جات مقالہ کے آخر میں لکھے گئے ہیں۔ پہلی بار حوالہ مکمل شکل میں دیا گیا ہے دوسری بار حوالہ دیتے وقت صرف مصنف کا نام اور کتاب کا نام اور صفحہ نمبر ذکر کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ (Literature Review)

سید امیر علی ملیح آبادیؒ کی تفسیر "مواھب الرحمان" پر اب تک جو تحقیقی کام ہوا ہے اس کا مختصر احوال کچھ یوں ہے:

1. "تفسیر مواھب الرحمان (از سید امیر علیؒ ملیح آبادی) کا تحقیقی مطالعہ"، کے عنوان سے ڈاکٹر نور حبیب صاحب (جو گورنمنٹ ڈگری کالج خیبر پختونخواہ سے پروفیسر کے طور پر اب ریٹائرڈ ہو چکے ہیں) نے ڈاکٹر محمود اختر صاحب کی زیر نگرانی پنجاب یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کے مقالہ طور پر 2007ء کو پیش کیا۔
2. تفسیر مواھب الرحمان کے فقہی مباحث اور طرز استدلال: تفسیر مواھب الرحمان کے حوالے سے ایک تحقیقی کام ایم فل لیول کا ہے جو حافظ منیر احمد نے ڈاکٹر نسیم محمود کی زیر نگرانی "بعنوان: تفسیر مواھب الرحمان کے فقہی مباحث اور طرز استدلال کا تحقیقی مطالعہ" ہے۔ جسے مقالہ نگار نے شعبہ اسلامی فکر و تہذیب (ITC) یونیورسٹی آف منیجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی سیالکوٹ میں ایم فل کی ڈگری کے حصول کے لئے 2020ء میں پیش کیا ہے۔

ISSN (P): 3006-6522
ISSN (E): 3006-6530

3. تفسیر مواھب ال رحمان کے کلامی مباحث اور طرزِ استدلال: یہ تحقیقی مقالہ ایم فل لیول کی ڈگری کے حصول کے لئے جناب حافظ حفظ الرحمان نے ڈاکٹر نسیم محمود صاحب کی زیرِ نگرانی شعبہ اسلامی فکر و تہذیب (ITC) یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی سیالکوٹ میں 2020ء کو پیش کیا۔
4. تفسیر مواھب الرحمان تصوف کے مباحث اور طرز استدلال: حافظ محمد عثمان علی نے ڈاکٹر نسیم محمود کی زیرِ نگرانی 2020ء کو یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی سیالکوٹ کے شعبہ اسلامی فکر و تہذیب میں ایم فل کی ڈگری کے لئے پیش کیا۔ اس کے علاوہ اس تفسیر کے حوالے سے کوئی مزید تحقیقی کام میری دانست کے مطابق نہیں ہوا ہے۔

جس موضوع پر میں مقالہ تحریر کر رہا ہوں یعنی: "سید امیر علیؒ کا تفسیر مواھب الرحمان میں قرآت قرآنیہ سے استدلال کے منہج کا تجزیاتی مطالعہ "؛اس پر اب تک کوئی کام نہیں ہوا ہے اور نہ ہی کسی تحقیقی مجلّہ میں زیورِ طبع ہوا ہے۔

صاحبِ مواھب الرحمٰن کا مختصر تعارف:

نام و نسب: مولانا کا نسب سید امیر علی ملیح آبادی بن سید معظم علی بن سید خیرات علی بن سید محمد طاہر بن سید ہمت خان ہے۔ آپ کا نسبی تعلق جیسا کہ ناموں سے ظاہر ہے ہے ایک سادات خاندان سے ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب خلیفہ چہارم حیدرِ کرار سیدنا علی المرتضیٰ شیر خدا سے جاملتا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا تعلق بھی ایک سادات خاندان سے ہے اور ان کا نام سیدہ منیرہ ہے۔ آپ کا نام ابتداء میں عبد الرزاق محمد رکھا گیا تھا۔ اس کے بعد آپ کے نام "سید امیر علی؛ شہیدِ بابری مسجد امیر المجاہدین سید امیر الدین علی شہید (1282ھ) کے نام سے متاثر ہو کر رکھا گیا[3]

تاریخ پیدائش و جائے پیدائش: آپ کی 1274ھ بمطابق 22 اگست 1857ء میں ہوئی۔ اس طرح آپ کی 1857ء کی جنگِ آزادی کے پر شورش زمانے میں ہوئی۔ سید امیر علیؒ انڈیا کی موجودہ ریاست اترپردیش کے ایک مشہور شہر "ملیح آباد" میں پیدا ہوئے جو ریاست، کے دارالحکومت لکھنؤ سے 15 میل کے فاصلے پر ہے۔ ملیح آباد انگریزوں کے زمانے میں لکھنؤ ضلع کی اہم تحصیل تھی جو زراعت اور باغات کی وجہ سے بہت مشہور تھی اور ملیح آباد کے آم بھی بہت شہرہ رکھتے تھے۔[4]

تعلیم و تربیت اور دینی علوم کا حصول:

مولانا سید امیر علی کے والدین اُس وقت انہیں داغِ مفارقت دے گئے جب وہ ابھی بچپن میں کھیل کود میں مصروف تھے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت آپ کی چچازاد بہن نے کی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم ملیح آباد کے ایک اردو مدرسہ سے حاصل کی۔ آپؒ نے عربی فارسی، منطق، علم کلام اور دینی علوم مولانا عبد اللہ الارویؒ اور مولانا صدر علی مہاجرؒ اور قاضی بشیر الدین الشمانیؒ سے سیکھے۔ حدیث، تفسیر اور فقہ کے علوم دہلی میں عظیم محدث و مفسر امام العصر مولانا سید نزیر حسین دہلویؒ سے حاصل کئے۔[5]

---

[3] ڈاکٹر نور حبیب اختر تفسیر مواھب الرحمان کا تحقیقی مطالعہ (مقالہ برائے پی ایچ ڈی) شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور ص18۔

[4] Gazetteer of province of Ouhd Published by the Authority Of b Allah Abad (north Western province) Government Press Vol. ii, H to M ,p, 436

[5] لکھنوی، سید عبد الحی حسنی بریلوی،، نزھۃ الخواطر و بھجۃ المسامع والنواظر، مقبول اکیڈمی چوک انار کلی بالمقابل المینار مارکیٹ لاہور (1967ء)، ج8، ص88۔

ISSN (P): 3006-6522
ISSN (E): 3006-6530

مولانا نے خود لکھا ہے کہ میں نے فلسفہ وغیرہ ترک کر دیا اور اپنے آپ کو سنت کے طریق پر چلایا۔ آپ سید نذیر حسین دہلویؒ کے دروس میں 1880ء تک شامل رہے اور علم و عرفان کے موتی چنتے رہے۔ حصولِ علم کے بعد آپ واپس اپنے آبائی شہر چلے گئے وہاں آپ نے مختلف تعلیمی ادروں میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔ آپ کے اس دور کے اہم شاگرد مولانا عبدالحی حسنیؒ ہیں جنہوں نے آپ سے جلالین پڑھی[6]

مطبع نول کشور سے تعلق: مولانا سید امیر علی جب لکھنؤ میں درس و تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے اس دوران ان کی ملاقات منشی نول کشور (1836ء-1885ء) سے ہوئی۔ پھر آہستہ آہستہ گہرے تعلقات قائم ہوئے۔ منشی نول کشور ایک علم دوست اور بہت معروف شخصیت تھی اور وہ ایک پرنٹنگ پریس چلاتے تھے۔ منشی نول دیگر کتابوں کے ساتھ اسلامی اور مذہبی کتابیں بھی چھاپنے کا اہتمام کرتے تھے۔ تو سید امیر نے وہاں پر ملازمت اختیار کی اور ایک عرصہ دراز تک کتابوں کی پروف ریڈنگ اور تصحیح کا کام کیا۔ سید صاحب نے کئی کتابوں کے ترجے بھی کیے۔[7]

سید امیر کے اپنے بیان کے مطابق ان کے معاشی حالات بہت خراب ہوگئے اور فاقوں کا سامنا کرنا پڑا تو ایسے حالات منشی نول کشور سے رابطہ کیا کہ انہیں مطبع خانہ میں ملازمت دی جائے تو منشی نول نے بغیر کسی لیت و لعل کے 50 روپے ماہوار پر نوکری پر رکھ لیا اور شروع میں آپ باقاعدہ مطبع میں جا کر کام کرتے رہے۔ وہاں حالات پر سکون نہیں ہوتے تھے اور وہاں ہر وقت لوگوں کا رش لگا رہتا تھا اس پر منشی نول نے انہیں حاضری سے اسثناء دے دیا اور مولانا اپنے گھر بیٹھ کر مطبع کے لئے علمی اور تحقیقی کام کرتے رہے اور منشی نول نے ان کے مزاج کا خیال کرتے ہوئے حقہ کا اہتمام بھی ان کے گھر پر کروا دیا تھا۔[8]

مولانا سید امیر علی منشی نول کشور کو بہت عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے ان کے دل میں منشی نول کی کس قدر عظمت تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے انہوں نے منشی نول کے متعلق فتاویٰ عالمگیری کا ترجمہ کرتے ہوئے اس کے مقدمہ میں لکھا'

'اس بے مثال فتاوٰی کے ترجمہ کی جانب توجہ ایک دریا دل رئیس، بامروت، سنجیدہ خصلت اور عالی ہمت نے توجہ فرمائی اور اس کا ترجمہ کرایا۔[9]

تصانیف: مولانا نے درج ذیل علمی سرمایہ چھوڑا ہے:

1. تفسیر مواہب الرحمٰن المعروف بہ جامع البیان
2. شرح صحیح بخاری اردو (غیر مطبوعہ)
3. فتاوٰی عالمگیری کا (اردو ترجمہ)
4. عین الھدایہ کا (اردو ترجمہ)
5. الحاشیۃ التوشیح (عربی) جو تنقیح الاصول کی شرح ہے جو علامہ صدر الشریعۃ الاصغر عبید اللہ بن مسعود کی کتاب ہے۔

---

[6] ندوی، مولانا سید ابوالحسن علی، 'حیاتِ عبدالحی؛ مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، ص 74 تا 75۔

[7] نزھۃ الخواطر،، ج 8، ص 87۔

[8] نورانی، امیر حسن، علمی اُجالے، ناشر راجہ رام کمار بک ڈپو لکھنؤ (1959ء) ص 64۔

[9] ملیح آبادی، سید امیر علی، فتاوٰی ہندیہ مترجم، مطبع نول کشور لکھنؤ، (مارچ 1931ء)، ص، 210۔

ISSN (P): 3006-6522
ISSN (E): 3006-6530

6. حاشیۃ علی تقریب التہذیب (عربی)
7. المستدرک فی الرجال (عربی)
8. الترنیب لتقعیب التقریب (عربی)[10]

وفات:

26 اپریل بروز اتوار 1919 کو سید امیر علی دنیائے فانی کوچ کر گئے۔ انّاللہ انّاالیہ راجعون [11]

تفسیر مواھب الرحمٰن کا تعارف:

مولانا سید امیر علیؒ کی یہ تفسیر "مواھب الرحمان؛ جو جامع البیان کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ پہلی بار 1896ء تا 1902ء تک 30 جلدوں میں لکھنؤ کے مکتبہ نول کشور پریس سے شائع ہوئی۔ یہ تفسیر منشی نول کشور مطبع کے مالک کی تحریک و تحریض پر لکھی گئی تھی۔

مگر اسکے اسباب اور بھی ضرور ہوں گے نہ صرف یہ کہ مطبع کے مالک کی خواہش تھی۔ ان کے دور میں برصغیر کے مسلمان پر آشوب دور سے گزر رہے تھے اقتدار بر طانوی استعمار نے مسلمانوں سے چھین لیا تھا۔ لوگ اخلاقِ رذائل سے متصف ہو گئے تھے اور اخلاقِ شریفہ کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ عورتوں، بچوں کا قتل کیا گیا۔ عدالتوں میں جج فاسق اور گواہ بدکار تھے، کہیں بھی جان و مال کی حفاظت کے آثار دکھائی نہیں دیتے تھے، ظلم، فسق وفجور اور بد دیانتی کا بازار گرم تھا[12]۔

اس کے علاوہ مولانا سید امیر علی صاحب سیر سید احمد خان، متجددین اور نیچری فرقہ سے بھی اچھی طرح آگاہ تھے اور ان کے باطل نظریات کی تردید بھی آپ کے پیش نظر تھیں جیسا کہ مقدمۃ التفسیر میں فرماتے ہیں کہ

"اسوقت مسلمانوں اعتقادات حقہ سے بہکانے و شک دلانے میں اہل شرک ظاہری، یہود و نصارٰی و ہنود مجوس کا فتنہ چنداں مضر نہیں ہے جس قدر فرقہ نیچر معتزلہ وغیرہ سے ضرر ہے کیونکہ اس فرقہ نے ظاہری صورت اسلام ولباس ونام کے پیرایہ میں اپنی جاہلانہ کفر و بد اعتقادیوں سے بہت سے جاہل مسلمانوں کو دائرہ کفر میں کھینچ لیا اور یہ بدبخت سادہ لوح ظاہری صورت پر فریفتہ ہو کر مطیع ہو گئے"[13]

مترجم نے یہ تفسیر البتہ اہل السنّۃ والجماعۃ کے لئے لکھی ہے خصوصاً کم علم لوگوں کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے عقائد کو شک و شبہہ سے بچانے کے لئے، وساوس شیطان کو رفع کرنے کی بہت کوشش کی تاکہ نیچر، روافض اور خوارج کے اوہام سے بچ جائیں۔[14]

تفسیر مواھب الرحمان کی مختلف اشاعتیں:

---

[10] نورانی، امیر حسن، علمی اجالے، ص66-67۔
[11] ملیح ابادی، سید امیر علی(1858ء-1919ء)، مواھب الرحمٰن، مکتبہ رشیدیہ لمٹڈ 31اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور، سرِورق، ج1 -
[12] سید امیر علی، تفسیر مواھب الرحمان، مقدمۃ التفسیر، مکتبہ رشیدیہ لاہور، ج1، ص79۔ -
[13] سید امیر علی، مواھب الرحمان، مقدمۃ التفسیر، ج1، ص84
[14] سید امیر علی، تفسیر مواھب الرحمان، مکتبہ نول کشور، ج30، ص854۔

یہ تفسیر دوبار 1902ء اور 1931ء کو مطبع نول کشور لکھنؤ سے 30 جلدوں میں شائع ہوئی۔ پاکستان بننے کے بعد یہ تفسیر نئی کتابت کے ساتھ 'قرآن کمپنی لمٹڈ، لاہور کے ناشر ڈاکٹر امجد مسعود رفاعی نے فروری 1977ء میں 'الحرم پریس، ہجویری پارک لاہور سے شائع کی۔ اس طرح مکتبہ رشیدیہ لمٹڈ لاہور کے مالک حافظ عبدالرشید ارشد نے نول کشور ایڈیشن کی فوٹو کاپی لے کر جنوری 1977ء کو دوبارہ اصل شکل میں 10 جلدوں میں شائع کیا۔

تفسیر مواھب الرحمان کا عمومی منہج واسلوب: تفسیر مواھب الرحمان کا منہج اور سورو آیات کی تفسیر کا طریق کار تفسیر بالماثور کا اختیار کیا ہے۔ مولانا سید امیر علی پہلے سورت کا تعارف بیان کرتے ہیں، سورت مکی یا مدنی ہے، پھر آیات کے نزول کا زمانہ ذکر کرتے ہیں۔ سورت کی فضیلت بیان کرتے ہیں۔ یہ فضیلت احادیث کی روشنی میں ذکر کرتے ہیں اور پھر مفسرین کرام کے حوالے سے بھی اسکی آیات کی فضیلت اور ان کے زمانہ میں اگر فرق ہے تو وہ واضح کرتے ہیں۔ پھر آیات کی تفسیر میں پہلے الفاظ کے معانی کی تشریح کرتے ہیں۔ پھر آیات کی تفسیر پہلے قرآن سے کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ احادیث ذکر کرتے ہیں جو امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں بیان کی ہیں۔ اسکے ضروری مسائل اور فقہی نکات، شان نزول، واقعات، باطل فرقوں کا رد اور تصوف کے مسائل بھی آخر میں بیان کرتے ہیں۔ الفاظ کی تشریح لغوی اور اصطلاحی ذکر کرتے ہیں اور اس کے لئے زیادہ تر حوالہ جات تفسیرِ کشّاف کے دیتے ہیں۔ بعض اوقات احادیث کی اسناد بھی بیان کرتے ہیں اور احادیث کی صحت پر حکم بھی لگاتے ہیں۔ تفسیر مواھب الرحمان میں درج ذیل مصادر سے تفسیر بیان کی گئی ہے؛

1. قرآن مجید
2. احادیث رسول ﷺ
3. اقوالِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین
4. اقوال تابعینؒ
5. لغتِ عرب اور عربی ادب اور صرف ونحو اور قرات۔

قرآۃ کا لغوی مفہوم: قرآۃ کا لفظ قرآن وحدیث اور عربی ادب میں کثرت سے مستعمل ہے یہ لفظ قرء سے ماخوذ ہے۔ اہل لغت نے لفظ قراءۃ کو قرأ سے مشتق قرار دیا ہے۔ اس لفظ قرأ میں متعدد معانی پائے جاتے ہیں مگر ان میں مشترک مفہوم جمع، اجتماع اور انضمام پایا جاتا ہے علامہ ابن منظور[15] نے لسان العرب میں امام ابن اثیرؒ[16] کے حوالے سے لکھا ہے؛ القراءة و الاقتراء و القارىء و القرآن ، والاصل فی ھذہ اللفظة الجمع ، وكلُّ شيءٍ جمعته فقد قراءته و سمی القرآن لانه جمع القصص و الامر و النہی و الوعد و الوعید و الآیات و السور نعضها الی بعض و ھو مصدر كالغفران و الكفران[17]۔

[15] علامہ جمال الدین ابوالفضل محمد بن مکرم بن علی بن احمد بن ابوالقاسم بن منظور انصاری مصری افریقی (711ھ) ہیں جو عربی ادب کے ایک عظیم ماہر لغت ادیب اور انشا پرداز تھے۔

[16] امام ابوالحسن علی بن محمد بن عبدالکریم الشیبانی الجزری المعروف ابن الاثیر (630ھ) ہیں جو ایک بلند پایہ مورخ ادیب اور نسّاب تھے اور مختلف علوم وفنون کے ماہر تھے انہوں نے کئی موضوعات پر کتب تحریر کیں۔

[17] ابن منظورؒ، لسان العرب، دار صادر بیروت لبنان، ج 1، ص 119۔

ISSN (P): 3006-6522
ISSN (E): 3006-6530

کہ قراءۃ، اقتراء، قاریؒ اور قرآن کے الفاظ حدیث میں بہت زیادہ مستعمل ہیں اور ان میں بنیادی مفہوم "جمع" کا پایا جاتا ہے۔ لازمی بات یہ ہے کہ جب کوئی کسی قسم کا میٹریل اور مواد جمع کرتا ہے تو اسے ضرور پڑھتا بھی ہے۔ لہذا قرآن کو اس لئے قرآن کہا جاتا ہے کہ اس میں قصص اوامر و نواہی، وعد و وعید اور آیات و سور میں پوشیدہ دینی اور علوم وفنون کے حقائق کو جمع کر دیا گیا ہے یہ یہ غفران اور کفران کے وزن پر مصدر ہے۔

امام ابن قیّم الجوزیہؒ نے (751ھ) قراءۃ کو قرأ یقرأ سے مشتق قرار دیا ہے اور امام ابن قیّمؒ نے قریٰ یقری اور قرأ یقرأ کے معانی میں فرق کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ پہلا قریٰ یقری کا معنی جمع اور اجتماع ہے جبکہ قرأ یقرأ کا معنی کسی چیز کو نپے تلے انداز میں واضح کرنا ہے اور اس کے درست مخرج سے ادا کرنا ہے۔ قراءۃ القرآن بھی اسی سے ہے۔ قرآن مجید کو پڑھنے والا بھی بغیر کسی کمی و بیشی کے مخارج سے حروف کو صفات کے ساتھ ادا کرتا ہے اور اسکی دلیل انہوں نے قرآن کریم کی یہ آیت دی ہے انَّ علینا جمعه و قرُآنه [18]۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے جمع اور قرآن میں فرق کر دیا ہے اگر دونوں کا ایک ہی معنی مراد ہوتا تو پھر صرف تکرار کے سوا کچھ نہیں ہے۔

قرأۃ کا اصطلاحی مفہوم: علامہ محمد علی تھانوی نے یوں بیان کیا ہے؛

القرأة عند القرآء ان يقرأ القرآن سوآء كانت القرأة تلاوةً بان يقرأ متتبعاً او اداءً بان ياخذ من مشائخ و يقرأ كما فى الدقائق المحكمة [19]۔

ترجمہ: قرآء عظام کے نزدیک قرأۃ سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم کو پڑھا جائے وہ قراۃ باعتبار تلاوت ہو یا مسلسل ہو یا ادا کے اعتبار سے ہو یہ برابر ہے۔ ضروری بات یہ ہے کہ وہ مشائخ سے دقائق محکمہ کے اصول سے اخذ کر کے پڑھا جائے۔

امام بدرالدین زرکشیؒ نے لکھا ہے: و اعلم انّ القرآن و القرآت حقيقتان متغايرتان فالقرآن هو الوحى المنزل على محمد ﷺ للبيان و الاعجاز والقرآت هى اختلاف الفاظ الوحى

المذكور فى كتبة الحروف او كيفيتها من تخيف و تثقيل و غيرهما[20]۔

ترجمہ: اور تم یہ اچھی طرح جان لو کہ قرآن اور قرأۃ دونوں متلازم حقیقتیں ہیں پس قرآن مجید وہ وحی ہے جو بیان اور اعجاز کے لئے حضرت محمد ﷺ پر اُتاری گئی اور قرأۃ سے مراد وحی کے الفاظ اور کیفیت میں ایسا اختلاف ہے کہ کون کونسا حرف کس طرح لکھا جائے گا اور کیفیت سے معلوم ہوا کہ کس طرح اسے پڑھا جائے گا جو تخفیف و تشدید میں لکھا ہوا مذکور ہے۔

---

[18] القرآن: سورۃ القیامۃ آیت نمبر 17

[19] علامہ محمد علی تھانوی موسوعۃ کشّاف اصطلاحات الفنون والعلوم مکتبۃ لبنان ناشرون (1996ء) الجزء 2 ص 1312۔

[20] الزرکشی امام بدرالدین محمد بن عبداللہ البرھان فی علوم القرآن مکتبۃ دار التراث قاھرہ مصر (1958ء) ج 1 ص 318۔

ISSN (P): 3006-6522
ISSN (E): 3006-6530

اس سے واضح ہوا کہ قرأۃ مختلف فیہ حروف کے ساتھ خاص ہے۔ اس تعریف میں امام زرکشیؒ نے اختلاف الفاظ الوحی لکھا ہے جس میں قرآت مواترہ اور شاذہ صحیحہ کو شامل کر دیا ہے۔ اس لئے کہ لفظ قرآن صرف قرآت متواترہ کو شامل ہے اور وحی کا لفظ دونوں کے لئے ہے

امام جزریؒ نے قرأۃ کی تعریف یوں کی ہے؛القرآت علم بکیفیة اداء کلمات القرآن و اختلافہا بعزوالناقلة خرج النحو اللغة و التفسير و ماشبه ذلک[21]۔

ترجمہ: قرآۃ کا مفہوم یہ ہے کہ کلمات قرآنیہ کی ادائیگی کی کیفیت اور ناقلین کی طرف منسوب ان کے اختلاف کے علم کا ہونا ہے۔ اور اس سے علم نحو و لغت اور تفسیر اور اس سے مشابہ علوم وفنون خارج ہو جاتے ہیں۔

سب سے جامع تعریف علامہ شہاب الدین قسطلانیؒ(923ھ) نے ان الفاظ میں کی ہے

”علم یعرف منه اتفاق الناقلین لکتاب الله و اختلافهم فی اللغة و الاعراب و الحذف والاثبات والتحریک والاسکان والفضل والاتصال و غیرذلک من هیئة النطق والابدال من حیث السماع و علم بکیفیة اداء کلمات القرآن و اختلافها معزوّا لناقله[22]

قرآت وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے لغت، اعراب، حذف، اثبات، تحریک، اسکان، فصل وصل اور ادائیگی کلمات کا پتہ چلتا ہے اس اختلاف اور اتفاق کا تعلق نقل اور سماع سے ہے اور یہ ایسا علم ہے جس کے ذریعہ قرآنی کلمات کی ادائیگی اور ان کے اختلاف کا معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس اختلاف کو نقل کرنے والا کون ہے؟

مذکورہ بالا تعریفوں سے واضح ہوا کہ قرآۃ یہ ہے کہ جس میں قرآن کے الفاظ کو نبی کریم ﷺ کی طرح ادا کیا اور پڑھا جاتا ہے اور یہ بھی ہے کہ آپؐ کے سامنے الفاظ قرآنی کو پڑھا گیا اور آپؐ نے انہیں برقرار رکھا۔ نبی ﷺ سے ان الفاظ کا نطق فعلاً یا تقریراً منقول ہو۔ وہ کئی الفاظ ہوں یا ایک لفظ ہو۔ قرآۃ کبھی تو آپؐ کے سامنے ادا کئے گئے الفاظ ہیں جن کا برقرار رکھا جانا ثابت ہو یا وہ آنحضور ﷺ سے سماعت کئے گئے ہوں۔ اگر ایک لفظ کی قرآۃ منقول ہے تو وہ قرآء کرام کے ہاں متفق علیہ ہے اور کئی الفاظ ہیں تو وہ قرآء کے نزدیک مختلف فیہ ہیں۔ دراصل یہ بھی رسولؐ کی طرف سے پڑھائی گئی قرآۃ ہوتی ہے جس کو روایت کرنے میں صحابہ کرامؓ نے اختلاف کیا۔

قرآۃ کی اقسام: بنیادی طور پر قرآت کی دو اقسام بیان کی جاتی ہیں: (1) قرآت متواترہ (2) قرآت شاذّہ

تفسیر مواہب الرحمان میں قرآت قرآنیہ سے استدلال کا منہج: جیسے دیگر مفسرین نے قرآت قرآنیہ سے تفسیر قرآن میں استدلال کیا ہے اسی طرح سید امیر علیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں قرآت کی مدد سے الفاظ قرآنی کے مفہوم کو بیان کیا ہے۔ تفسیر مواہب الرحمان میں سید امیر علی ملیح آبادیؒ نے قرآت

---

[21] ابن الجزری امام شمس الدین ابوالخیر محمد بن محمد بن الجزری مُنجدُ المقرئین ومرشد الطالبین مکتبۃ القدسی شارع جامعۃ الازہر پاھرۃ مصر (1350ھ) ص3۔

[22] ۔القطلانی امام ابوالعباس احمد بن محمد بن ابی بکر القطلانی (923ھ) لطائف الاشارات لفنون القرآت وزارۃ الشؤون الاسلامیۃ والوقاف والدعوۃ والارشاد مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف الامانۃ العامۃ الشؤون العلمیۃ المملکۃ السعودیۃ العربیۃ ج1 ص355

ISSN (P): 3006-6522
ISSN (E): 3006-6530

قرآنیہ سے بھرپور استفادہ کیاہے اور مقدمہ تفسیر میں قرآت قرآنیہ کا تعارف ذکر کیاہے اور اس کے متعلقہ اصول وضوابط بھی بیان کئے ہیں۔ سید امیر علیؒ نے قرآت متواترہ اور شاذہ سے استدلال کرنے کے اصول بھی واضح کئے ہیں۔ مقدمہ میں مذکور قواعد ہی ان کا قرآت سے استدلال کا منہج ہے۔

صاحب مواھب الرحمان کے نزدیک قرآت کی اقسام: قرآت کے متعلق مولانا سید امیر علیؒ یوں لکھتے ہیں؛ قرآت متواترہ و مشہورہ و آحاد و شاذہ و موضوع و مدرج واضح ہو کہ قرآت قرآءِ سبعہ رحمھم اللہ تعالیٰ متواترات ہیں معنی یہ کہ جیسے قرآن کریم متواتر قطعی ہے اسی طرح یہ قرآت سبعہ بھی رسول ﷺ سے اس کثرت سے متصل ہیں کہ یہاں وہم وگمان وغیرہ کسی چیز کو دخل نہیں بلکہ عقلاً قطعی ہیں۔ شیخ ابن الجزریؒ نے فرمایا کہ ہر قرآت جو صحیح اسناد سے ثابت ہوئی اور وہ زبان عربیت سے کسی وجہ پر متوافق ہے اور وہ مصاحف عثمانیہ میں سے کسی سے موافق ہے تو یہ قرآت منجملہ سات حروف کے ایک حرف ہے جن کے ساتھ قرآن نازل ہوا یعنی حدیث میں گزرا ہے کہ قرآن مجید کا نزول سات حروف پر ہوا پس جس کو جو میسر ہو پڑھے[23]۔

سید امیر علیؒ نے قرآت متواترہ صحیحہ کے ارکان تین ذکر کئے ہیں۔ ان میں سے (1) اسناد صحیحہ (2) عربی زبان میں کسی وجہ پر موافق ہونا (3) جو مصاحف کثیرہ حضرت عثمانؓ نے آفاق میں بھیجے تھے ان میں سے کسی میں قرآت کی خبر موجود ہو تو یہ قرآت صحیح ہے اور اس کا قبول کرنا واجب ہے۔ وہ قرآت ائمہ سبعہ سے متواتر ہو یا ان سات کے علاوہ تین دوسرے قرآء میں سے کسی سے منقول ہو یا کسی صحابی یا تابعی سے ثابت ہو پس یہ صحیح ہے اس کے علاوہ غیر صحیح ہے وہ لکھتے ہیں ؛جب کوئی قرآت ایسی ہو جس میں تین باتوں میں سے کوئی امر نہ ہو مثلاً اسناد صحیح نہ ہو یا وجہ عربیت سے بالکلیہ مخالف ہو یا وہ کسی مصحف میں ثبوت نہ ہو تو ضعیف یا باطل یا شاذ ہو گی خواہ یہ قرآت قرآء سبعہ سے بیان کی جاوے یا ان سے کسی بزرگ سے لائی جاوے اور یہی قول ائمہ تحقیق سلف وخلف سے صحیح ہے اور اسے سلف میں کسی سے خلاف نہیں پایا گیا ہے۔ شیخ ابو شامہؒ ودانی وغیرہم نے اس کی تصریح کی اور ابو شامہؒ نے کہا کہ ہر قرآت پر جو قرآء سبعہ کی نسبت کی جاوے مغرور نہ ہو جانا چاہیے کہ اس کو خواہ مخواہ کہنے لگے اور جزم کرے کہ یوں ہی نزول ہوا ہے بلکہ جو ضابطہ کلیہ بیان کیا گیا ہے اسی پر منطبق کرنا ضرور ہے پس صحیح قرآت تو اس ضابطہ سے خارج نہ ہو گی[24]۔

قرآت شاذہ کی پہچان کے متعلق سید امیر علیؒ موقف اپناتے ہوئے لکھتے ہیں کہ؛ قرآۃ کے ضابطہ میں جو یہ لکھا ہے کہ زبان عربیت سے کسی وجہ کے ساتھ موافق ہو تو اس سے مراد یہ ہے کہ زبان عرب جس قاعدہ پر ہے اس سے موافق ہو خواہ افصح یا فصیح ہو یعنی فصیح ہونا ہر کلمہ پر ضروری نہیں ہے اور اگر اس وجہ میں کسی نے اختلاف کیا تو دیکھا جاوے کہ قرآت ہی شاذ ہو تو ظاہر ہے اور اگر یہ قرآت صحیحہ یا اس سے زائد مشہور ہو تو کسی نحوی کا انکار معتبر نہ ہو گا اس واسطے کہ صحیح اسناد کے ساتھ اماموں کا قبول کرنا اور ان میں شائع ہونا یہی رکن اعظم ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ دلیل قطعی اس پر یہ ہے کہ نحویوں نے زبان عرب کے قواعد بنائے ہیں اور زبان عرب سابق سے موجود اور قرآن مجید پہلے نازل ہوا اور صحابہؓ جس زبان عرب سے جو ان کی اصلی زبان ہے اور اسکے بلیغ فصیح محاورات سے واقف تھے اور وہ وقوف کسی کو میسر نہ ہو گا اگرچہ وہ مابعد نسل عرب سے کیوں نہ ہو[25]۔

---

[23] سید امیر علیؒ مواھب الرحمان مقدمۃ التفسیر ج1 ص55۔

[24] سید امیر علیؒ مواھب الرحمان مقدمۃ التفسیر ج1 ص55۔

[25] سید امیر علی مواھب الرحمان مقدمۃ التفسیر ج1 ص56۔

مولاناسید امیر علیؒ قرآت شاذہ کے فوائد اور قرآت شاذہ سے قرآنی حکم میں اضافہ کی کیا شرائط ہیں ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ؛ حضرت ابو عبیدہؓ نے فضائل قرآن میں لکھا کہ تفسیر آحاد وشاذ کی تتبع سے مقصود یہ ہے کہ قرآت مشہورہ کے معانی واضح ہوں جیسے قولہ تعالیٰ فاقطعوا ایدیھما متواتر ہے اور قرآت ابن مسعودؓ فاقطعوا ایمانھما یعنی دائیں ہاتھ کاٹو اس سے تفسیر ایدی کی مل گئی کہ دایاں مراد ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ ائمہؒ حنفیہ بدوں مشہور کے قرآن پر زائد معنی جائز نہیں رکھتے تو ان کے طور کہا جاوے کہ قرآت شاذ بمنزلہ خبر واحد ہے پس جب خبر واحد سے تفسیر مل جاوے تو وہ آیت کی طرف نسبت ہوتی ہے گویا آیت سے دایاں کاٹنا ثابت ہے لیکن مخفی نہیں کہ اس وقت حکم قطعی نہیں رہتا تو چور کے حق میں قطع کرنے میں بدوں قطعی کے جواز کیونکہ ہوا۔ اور میرے نزدیک یوں کہا جاوے کہ سزائے قطع عملاً متواتر ہے تو دایاں کاٹنا مشہور تھا فافہم[26]۔

قرآت سبعہ کے علاوہ قرآت صیحۃ کے بارے سید امیر علیؒ لکھتے ہیں کہ اگر ضابطہ کے مطابق ان قرآء سبعہ کے علاوہ دیگر سے بھی منقول ہے کو صحیح اور درست ہے وہ لکھتے ہیں؛ اور صحت صرف اسی پر موقوف نہیں کہ انہیں قرآء سبعہ سے منقول ہو بلکہ اگر غیروں سے اسی ضابطہ کے ساتھ منقول ہو تو وہ بھی صحیح ہے اور اگر قرآء سبعہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے اسی ضابطہ کے ساتھ نہ ہو تو وہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اعتماد تو اوصاف کے جمع ہونے پر ہے پس جس قرآت میں یہ تینوں اوصاف جمع ہوں وہ صحیح ہے اور اگر کسی وصف میں خلل ہو تو اعتماد نہیں ہے تو مدار ان اوصاف پر ہے اور کسی شخص کی طرف نسبت کرنے کا اعتبار نہیں ہے[27]۔

سید امیر علیؒ قرآت کا صحیح الاسناد ہونے کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ؛ عادل ضابط ثقہ اپنے مثل سے روایت کرے اسی طرح اوپر تک منتہی ہو اور صحابہؓ کل عادل ثقہ ضابط ہیں اور باوجود اس طرح صحت سند کے یہ بھی ہو کہ قرآت اس فن کے ائمہؒ میں مشہور ہو اور شاذ نہ ہو۔ شیخ ابو شامہؒ وغیرہ نے ہر قرآت کی نسبت تواتر کی شرط نہیں لگائی اور یہ صحیح ہے اس واسطے کہ قرآن کل متواتر ہے اور قرآت متواترہ معروف ہیں اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے بعض قرآت میں وسعت دی تو ہر قرآت کا تواتر مشروط نہیں ہے۔ پھر واضح ہو کہ اگر قرآت بنقل آحاد صحیح ہو لیکن معروف مشہور نہ ہو تو اکثر علماء کے نزدیک اس کو پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اس کی مثال یہ سند صحیح سے پہنچا کہ قولہ (یاخذ کل سفینة غصبا) کو ابن مسعودؓ "یاخذ کل سفینة صالحة غصبا" پڑھتے یعنی صالحۃ کا لفظ بڑھاتے تھے اور معنی واحد ہیں لیکن قرآت مشہورہ نہیں ہے پس تلاوت و نماز میں اس کو نہ پڑھے اس واسطے کہ شاید آخری دور میں یہ نسخ ہوا یعنی محو کیا گیا ہو یا اجماع صحابہؓ کے خلاف ہے[28]۔

سید امیر علیؒ نے قرآت مدرجہ کی وضاحت بہت آسان انداز سے کی ہے جو تفسیر کے طور پر بیان کی جاتی ہے اسکے متعلق وہ لکھتے ہیں؛ تفسیر ایسے طور بیان کی کہ وہ قرآن سے ملی ہوئی ہے پس راوی کو شبہ ہوا کہ یہ قرآت ہے جیسے قولہ تعالیٰ وله اخ او اخت فلكل واحد اس کی تفسیر میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے پڑھا له اخ او اخت من ام فلكل واحد۔ رواہ سعید بن منصور۔ قولہ تعالیٰ ليس عليكم جناح ان تبغتوا فضلا من ربكم ابن عباسؓ نے زیادہ کیا فى مواسم الحج یعنی موسم حج میں تجارت کی اجازت ہے رواہ البخاری۔ پس ملانے سے مشتبہ ہوتا ہے کہ کلمہ زائد قرآت ہے۔ قولہ تعالیٰ؛ ولتكن منكم امة يدعون الى الخير و يامرون بالمعروف و ينهون عن المنكر و يستعينون بالله علىٰ ما اصابهم ابن زبیرؓ نے قولہ ویستعینون الخ بطور موعظت

---

[26] سید امیر علیؒ مواھب الرحمان مقدمۃ التفسیر ج1 ص59-60۔

[27] سید امیر علیؒ مواھب الرحمان مقدمۃ التفسیر ج1 ص55۔

[28] سید امیر علیؒ مواھب الرحمان مقدمۃ التفسیر ج1 ص58۔

Dyal Singh Journal of Humanities and Social Sciences (DSJHSS)
Vol. 1, No. 1, 2023, pp. 26-40
ISSN (P): 3006-6522
ISSN (E): 3006-6530

تفسیری کے بڑھادیا حتیٰ کہ راوی نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ ان کی قرآت تھی یا بطور تفسیر زیادہ کیا ہے۔ رواہ سعید بن منصور۔ لیکن ابن الانباری کی روایت میں جزم ہے کہ یہ کلمہ بطور تفسیر بیان فرمایا[29]۔

مولانا سید امیر علیؒ نے مقدمۃ التفسیر میں وہ قرآت صحیحہ جو غیر متواترہ ہیں ان سے فقہی استدلال کا حکم ذکر کیا ہے۔ "واضح ہو کہ جو کچھ قرآن سے ہے وہ بالضرور اپنی اصل واجزاء میں متواتر ہونا واجب ہے اور محل وضع وترتیب میں بھی تواتر واجب ہے اس پر محققین اہل السنہ متفق ہیں۔ لہذا قرآت صحیحہ غیر متواترہ کا پڑھنا جائز نہیں ہے اگرچہ فقہاء نے مشہور قرآت سے اعمال واحکام عملی استنباط کئے کیونکہ نیک عمل کے واسطے جزو احد کافی ہوتی ہے اور یہ تو مشہور ہے لیکن قطعی اعتقاد کے لئے متواتر ہونا شرط ہے۔ پس جو متواتر منقول نہ ہو تو اس کی نسبت قرآن ہونے کا یقین قطعی نہیں ہو گا[30]۔

تفسیر مواھب الرحمان میں قرآت سے استدلال کا مختصر جائزہ: سید امیر علیؒ نے اپنی تفسیر مواھب الرحمان میں قرآت قرآنیہ سے بہت سارے مقامات پر آیات کی تفسیر کرتے ہوئے اور ان کا لغوی مفہوم بیان کرتے ہوئے اور احکام کا استنباط کرتے ہوئے استفادہ کیا ہے ان میں سے چند مقامات کا تذکرہ ذیل کے صفحات میں درج کیا جارہا ہے۔ مولانا نے مختلف قرآت ذکر کیں ہیں اور اختلاف قرآت کی وجہ سے قرآنی آیات کے ترجمہ وتفسیر پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں ان پر بھی بحث کی ہے۔

1. انَّ الّذین اتقوا اذا مسّهم طآئفٌ من الشیطٰن[31] الخ

یہاں پر دو قرآتیں ہیں ایک "طیف" بروزن "سیف" ہے اور یہ قرآۃ امام ابن کثیرؒ وابو عمرؒ اور کسائی کہ ہے اور دوسری قرآۃ "طائف" ہے جو باقی قرّآء کی ہے۔ طیف یا مصدر ہے یا مخفف "طیف بروزن خیر ہے جیسے کہ امام کسائیؒ نے کہا ہے اور لغت میں اس کے معنی وہ چیز جو قلب میں متخیّل ہو یا خواب میں نظر آوے جیسے کہ النحاس نے کہا ہے۔ اور شاعر نے کہا ہے؛

قولی لطیفک ینسنی عن مقلتی عند المنام – کیما انام فتنطفی نارتاجج فی العظام

ترجمہ: اے میری معشوقہ تو اپنے طیف سے یعنی خیال وتصور سے کہہ دے کہ سوتے وقت میری آنکھوں کے سامنے سے ذرا ہٹ جاؤ تاکہ میں سوجاؤں کیونکہ جو آگ میری ہڈیوں میں بھڑک رہی ہے وہ ذرا ٹھنڈی ہو جائے۔

مختصر یہ کہ طیف ایسے امر متخیل کو کہتے ہیں و یقال طاف الخیال یطوف طیفا۔ اور بعض نے کہا کہ "طائف" کے بھی یہی معنی ہیں جو "طیف" کے ہیں اور بعض نے کہا کہ نہیں بلکہ دونوں میں فرق ہے اس واسطے کہ "طائف الخیال" کے محاورہ سے "طائف" اسم فاعل نہیں لاتے ہیں کیونکہ وہ محض بے حقیقت تخیل ہے اور "طائف" وہ شیطان خود ہے اور قولہ" فطاف علیها طائف من ربک "میں "طیف" نہیں کہہ سکتے ہیں۔ مفسر سید امیر علیؒ نے قرآۃ "طیف" اختیار کی ہے جسے مفسر جلالؒ نے بیان کیا ہے اور مسّ کی تفسیر اصابت سے ذکر کی ہے اور طیف سے المام شیطانی مراد لیا ہے یعنی ان کو چھو جانا

---

[29] سید امیر علیؒ مواھب الرحمان مقدمۃ التفسیر ج 1 ص 58۔

[30] سید امیر علیؒ مواھب الرحمان مقدمۃ التفسیر ج 1 ص 59۔

[31] القرآن: سورۃ الاعراف آیت نمبر 201۔

ISSN (P): 3006-6522
ISSN (E): 3006-6530

پہنچا مترجم کہتا ہے کہ ارجح وہ تفسیر ہے جو شیخ جلالؒ نے ذکر فرمائی ہے۔ حاصل آنکہ اہل تقوی کو جب المام شیطانی سے کچھ پہونچتا ہے تو، تذکروا، اللہ تعالیٰ کے عذاب کو یاد کرتے ہیں[32]۔

2. مالک یوم الدین[33]

اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے سید امیر علیؒ نے "مالک" دو قرآتیں ذکر کی ہیں وہ لکھتے ہیں کہ بعض قرآءنے مَلِکِ یومِ الدّین پڑھا بمعنی بادشاہ روزِ جزا اور دوسرے قرآءنے مالک یوم الدین پڑھا۔ اور یہ دونوں قرآتیں صحیح متواتر ہیں اور قرآتِ سبعہ میں سے ہیں۔ زمخشری نے کہا کہ حرمین مکہ و مدینہ کے لوگ "مالک "پڑھتے ہیں اور ابو بکر بن ابی داوٗدؒ نے امام زہریؒ سے مرسل روایت کی آنخضرت ﷺ وابو بکر وعثمان ومعاویہؓ کی قرآت مالک یوم الدین تھی۔ ضحاک نے ابن عباسؓ سے روایت کی "مَلِکِ یوم الدین" کے یہ معنی ہیں کہ اس دن کسی شخص کو حکم کی قدرت نہ ہوگی جیسے دنیا میں بادشاہوں کو ہوتی ہے۔ حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ آنخضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ زمین کو مقبوض اور آسمانوں کو یمین میں پیچیدہ کر کے فرمائیگا کہ بادشاہ میں ہوں! وہ کہاں ہیں؟ جو زمین کے بادشاہ تھے گردن کش کہاں ہیں؟ متکبر کہاں ہیں؟[34]۔

3. اهبطوا مصرا[35]

اس آیت کی قرآۃ کے بارے سید امیر علیؒ نے امام ابن کثیرؒ کے حوالے سے لکھاہے کہ؛ جو مصاحف عثمان نے اجماع صحابہ سے لکھوائے تھے سب میں "مصراً" ہے یعنی تنوین کے ساتھ بالف لکھاہوا ہے اور یہی جمہور سلف وخلف کی قرآۃ ہے۔ یعنی قرآۃ متواترہ۔ وہ بھی اسپر متفق ہیں کہ امام ابن جریرؒ نے کہا کہ اجماع مصاحف کی دلیل سے میں جائز رکھتاہوں کہ کوئی شخص اهبطوا مصر ابغیر الف اور تنوین کے پڑھے اور ابن عباسؓ نے بھی اس کی تفسیر میں کہا کہ معنی یہ ہیں کہ شہروں میں سے کسی شہر میں اترو اور اس کے موافق سدی وقتادہ وربیع بن انس سے مروی ہے۔ لیکن ابن جریر نے فرمایا کہ ابی بن کعبؓ وابن مسعودؓ کی قرآۃ میں "مصر" بغیر الف ہے اور ابو العالیہ واعمش سے ایک اور روایت ربیع بن انس سے وارد ہوئی ہے کہ اس سے مراد مصرِ فرعون ہے کیونکہ کبھی قرآۃ میں تنوین دے دیتے ہیں جیسے قوایر میں قوایرا کی بھی قرآۃ آئی ہے[36]۔

ان مذکورہ مثالوں میں مولانا سید امیر علیؒ نے جو قرآتیں بیان کی ہیں آپؒ نے ان قرآت کے ماخذ اور مصادر کی طرف رجوع نہیں کیاہے مناسب یہی ہے کہ قرآت کی تخریج اسکے بنیادی ماخذات سے کی جائے۔ پہلی مثال میں آپ جو شعر ذکر کیاہے وہ بھی نامعلوم شاعر کاہے اور آپ نے طائف کا معنی جو راجح قرار دیاہے وہ بھی بلا کسی دلیل کے ہے۔ آپ نے یہ بھی بیان نہیں کیاکہ کون سی قرآت شاذ ہے اور کونسی متواتر ہے۔ جبکہ مالک یوم الدین کی دونوں قرآت کو متواتر لکھاہے اور مصراًمیں مصر والی قرآۃ شاذ ہے[37]۔

---

[32] سید امیر علیؒ، مواھب الرحمان، پارہ نمبر9، ج3، ص167۔

[33] القرآن: سورۃ الفاتحۃ آیت نمبر3

[34] سید امیر علیؒ، مواھب الرحمان، پارہ نمبر1، ج1، ص20-21

[35] القرآن: سورۃ البقرۃ آیت نمبر61

[36] سید امیر علیؒ، مواھب الرحمان، پارہ نمبر1، ج1ص176۔

[37] ڈاکٹر، عبداللطیف الخطیب، معجم القرآت القرآنیۃ، دار سعد الدین قاہرہ مصر(، 2002ء)، ج1ص64۔

ISSN (P): 3006-6522
ISSN (E): 3006-6530

4. و ماکان لنبیٍ ان یغلّ[38]

اس آیت کی تفسیر مولانا سید امیر علیؒ نے قرآت متواترہ سے کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ یعنی یوں غلول نہیں کر سکتا کہ لشکر میں سے بعض کو دے اور بعض کو نہ دے اور یہی ضحاک کا قول ہے مترجم کہتا ہے کہ معنی اس کے وہ ہیں جو محی السنۃ نے معالم میں مقاتل سے ذکر کئے کہ یہ آیت غنائم اُحد کے بارہ میں نازل ہوئی بایں معنی تیر اندازوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور غنیمت کی خواہش کی اور کہنے لگے کہ ہم کو خوف ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ کہہ دیں کہ جو شخص جو چیز لے لے وہ اسی کی ہے اور غنیمت تقسیم نہ ہو جیسے بدر کی غنیمت تقسیم نہ ہوئی تھی پس نبیؐ نے ان سے فرمایا کہ میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا جب تک میرا حکم نہ پہنچے تو وہ بولے کہ ہم نے اپنے باقی ساتھیوں کو وہیں چھوڑ دیا تھا تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ تمہارا گمان یہ تھا کہ ہم غلول کریں گے اور تمہارا حصہ نہ دیں گے اور بعض نے "یُغَلّ" صیغہ مجہول سے پڑھا جیسا کہ مفسر نے کہا کہ ایک قرآۃ میں بصیغہ مجہول ہے یعنی روا نہیں کہ نبیؐ کی نسبت غلول کی طرف کی جاوے اور بعض نے کہا معنی یہ ہے کہ "ماکان لنبی ان یغله احد من اصحابه" یعنی صحیح نہیں کہ کسی نبی کے اصحاب میں سے کوئی اس کی خیانت کرے[39]۔

اس مقام پر سید امیر علیؒ نے قرآت متواتر سے استدلال کیا ہے مگر اسکی وضاحت نہیں کی ہے۔

5. و ان اردتم استبدال زوج مکان زوج وآتیتم احداھن قنطارا الخ[40]

سید امیر علیؒ شاذ قرآت سے بھی تفسیر بیان کی ہے جیسا کہ اس آیت کی تفسیر میں انہوں لکھا ہے کہ قنطارا سے مراد مالا کثیرا صداقا ہے یعنی مال کثیر ہے جو صداق دیا ہے اور کہا گیا کہ صدق جو مہر قبل خلوت کے ادا کیا جائے۔ مترجم کہتا ہے کہ قنطارا کے معنی سورۃ آل عمران میں فی تفسیر قولہ زین للناس حب الشھوات من النسآء آلایۃ گزر چکے ہیں۔ شیخ ابن کثیرؒ وغیرہ نے کہا کہ اس آیت میں دلیل ہے کہ مال کثیر عورت کے مہر میں دینا مقرر کرنا روا ہے کیونکہ قنطار مال کثیر کو کہتے ہیں اور ابن المنذر کی روایت ممانعت حضرت عمرؓ میں مذکور ہے عبد اللہ بن مسعودؓ کی قرآۃ میں قنطاراً من ذھب تھا یعنی سونے کا ڈھیر اور حضرت عمرؓ نے جو عورتوں کے مہر کی زیادتی کرنے کی ممانعت فرمائی تو اس سے رجوع کیا چنانچہ سعید بن منصور وابو یعلیٰ نے مسروق کے طریق سے روایت کی کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے لوگوں تم کیوں عورتوں کے مہر میں زیادتی کرتے ہو حالانکہ رسول اللہ ﷺ و آپؐ کے اصحاب چار سو درہم تک مہر رکھتے تھے یا اس سے کم پھر اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادتی کرنا کچھ تقوی یا کرامت ہوتا تو تم لوگ ان سے سبقت نہ کرتے پس آئندہ مجھے نہ معلوم ہو کہ کسی نے اپنی جورو کے مہر میں چار سو درہم پر بڑھایا ہے تو پھر اتر آئے پس قریش کی عورتوں میں سے ایک عورت سامنے آئی اور کہا کہ اے امیر المومنین تم نے لوگوں کو منع کر دیا کہ چار سو درہم سے عورتوں کا مہر نہ بڑھائیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں وہ بولی کہ کیا آپ نے وہ نہیں سنا جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا کہ و آتیتم احداھن قنطارا ، پس عمرؓ نے یہ سن کہا کہ اے اللہ تعالیٰ میں مغفرت چاہتا ہوں سبھی آدمی عمر یعنی مجھ سے زیادہ فقیہ ہیں۔ پھر لوٹ کر منبر پر چڑھے اور کہا کہ اے لوگو میں نے تم کو منع کیا تھا کہ عورتوں

---

[38] القرآن: سورۃ آل عمران آیت نمبر 161

[39] سید امیر علیؒ، مواھب الرحمان، پارہ نمبر 4 ج 2، ص 96

[40] القرآن: سورۃ النسآء آیت نمبر 20۔

کے مہر میں چار سو درہم سے زیادہ نہ کرو پس میں کہتا ہوں کہ اس کو اختیار ہے کہ اپنے مال سے جس قدر چاہے دے اور ابو یعلیٰ نے کہا کہ مجھے یاد پڑتا ہے کہ شیخ راوی نے یوں کہا تھا کہ عمرؓ نے کہا سو جس کا جی چاہے وہ ایسا کرے[41]۔

6. یا ایّھالذین آمنوا اذا قمتم الی االصلاۃ فاغسلوا وُجُوھکم و ایدیکم الیَ المرافق و امسحوا برؤسکم و ارجلکم الی الکعبین[42]

مولانا سید امیر علیؒ نے اس آیت تفسیر میں قرآۃ متواترہ سے اہل تشیع کا رد کیا ہے کہ انہوں نے جو اس آیت سے پیروں کا مسح کرنا ثابت کیا ہے وہ درست نہیں ہے اور اس پر بہت مفصل بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛ اور دھو اپنے پاؤں ٹخنوں تک۔۔ف۔ ارجلکم ایک قرآۃ میں نصب سے پڑھا گیا ہے اور یہ اکثر ہے پس عطف ہے وجوھکم پر اور یہ ظاہر ہے اور بیچ میں وامسحوا برؤسکم سے فصل ہے بوجہ رعایت ترتیب کے اور ایک قرآۃ میں ارجلکم جر کے ساتھ پڑھا گیا۔ پس دراصل تو اس کو نصب ہے لیکن برؤسکم کے پڑوس میں ہونے کی وجہ سے ارجلِکم زیر کے ساتھ آسانی سے نکلتا تھا لہذا اس کو بالجر پڑھا گیا۔ اگرچہ معنی میں نصب کے صورت والے معنی مراد ہیں اس لئے کہ مسح یہاں ٹخنوں تک کہنے سے متصور ہی نہیں ہے چنانچہ دونوں قرآۃ پر معنی یہ ہیں کہ دھو تم اپنے پاؤں کو کعبین تک یعنی کعبین سمیت جیسا کہ سنت سے اس کا بیان آگیا ہے اور کعبین تثنیہ کا صیغہ ہے وہ دو ہڈیاں ابھری ہوئی ہر پیر میں پنڈلی و قدم کے جوڑ پر ادھر ادھر ہوتی ہیں اور یہی چاروں اماموں و جمہور کا قول ہے اور جس کلام کے یہ معنی لئے کہ مسح کرو پاؤں کا کعبین تک وہ کہتا ہے کہ کعب وہ جگہ ہے جہاں انگلیوں کی نسیں جا کر مل گئی ہیں اور وہ قدم کی پشت پر ہے ساق کی جڑ پاس ہے اور یہ رد کر دیا گیا اس طرح کہ وہ تو ہر پاؤں میں ایک ایک ہے حالانکہ کعبین صیغہ تثنیہ ہے پس اگر وہی مراد ہوتی تو ارجلکم الی الکعب ہوتا جیسے وجوہ و مرافق اور رؤس میں جمع کا صیغہ ہے علاوہ بریں اہل اللغۃ کے بالکل خلاف ہے اگر وہم ہو کہ پھر جب پاؤں کو دھونا مقصود تھا تو منہ و ہاتھوں کے ساتھ بیان کر دیا جاتا مفسر نے جواب دیا کہ قال المفسر آیت میں جس ترتیب سے جس کا دھونا و مسح کرنا مذکور ہے یہ ترتیب بھی فرض ہے چنانچہ منہ و ہاتھ دھوئے جاتے ہیں اور پاؤں بھی دھوئے جاتے ہیں لیکن ان کے بیچ میں سر کا مسح مقدم ہے تو اس سے افادہ یہ ہے کہ ان اعضاء کے پاک کرنے کی ترتیب رکھو اگر وہم ہو کہ اس سے پاؤں پر مسح کا وہم پیدا ہوا اور اسکا جواب یہ ہے کہ یہ یہاں وہم فقط ایک لفظ کعبین سے رفع ہو گیا کیونکہ مسح تو سیدھا ساق تک ہوتا پس معنی یہ کہ دھوڑالو کعبین تک پھر ترتیب کو مفسر نے کہا کہ یہ ترتیب واجب ہے اور یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے اور یہی امام مالکؒ و احمدؒ کا قول ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ترتیب سنت موکدہ ہے اور واؤ ترتیب کے واسطے اہل لغت کے نزدیک نہیں ہے۔ پس فصل کر دینے میں ممسوح کے بعد پاؤں دھونا بیان کرنے میں تنبیہ و ارشاد ہے کہ پاؤں پر پانی بہانے میں اسراف نہ کریں کیونکہ یہ مظنہ اسراف ہیں۔ ذکرہ علامہ زمخشریؒ قال المفسر اور سنت سے یہ بات نکالی گئی کہ وضو میں پہلے نیت کرنا واجب ہے جیسے عبادت میں ہے اور یہی دیگر ائمہ کا قول ہے اور ائمہ حنفیہ کے نزدیک یہ مسلّم ہے کہ عبادات میں بدون نیت ثواب نہیں لیکن وضو میں دو جہت ہیں ایک تو وہ خود عبادت ہے اور دوم یہ کہ وہ نماز کے واسطے شرط ہے پس اگر نیت کر لی تو تو وضو میں عبادت کا ثواب بھی ہو گا اگر نیت نہیں کی تو ثواب نہ ہو گا و لیکن نماز کے واسطے صحیح ہو جائے گا یعنی اس سے نماز ادا ہو جائے گی بخلاف نماز کے اگر اس میں خالص نیت نہ ہوئی تو وہ کچھ بھی نہیں ہو گی۔ کیونکہ اس میں ایک ہی جہت ہے۔ پھر واضح ہو کہ مفسر نے اکلیل میں کہا کہ ارجلکم میں قرآۃ نصب تو پاؤں دھونے کے واسطے ہے اور جر کی قرآۃ موزوں پر مسح کرنے کے واسطے ہے۔

---

[41] سید امیر علیؒ، مواھب الرحمان، پارہ نمبر 4، ج2، ص197-198۔

[42] القرآن: سورۃ المائدۃ آیت نمبر 6۔

ISSN (P): 3006-6522
ISSN (E): 3006-6530

کیونکہ قرآتوں کا متعدد ہونا بمنزلہ تعداد آیات کے ہے اور یہ قول ٹھیک ہے۔ صواب یہ ہے کہ یوں کہا جاوے کہ قرآتیں دونوں ثابت ہیں پس سنت کی طرف رجوع کیا گیا تو وہاں سے معلوم ہوا کہ دھونا واجب ہے کیونکہ احادیث مشہور متواتر ہیں کہ آنحضرت ﷺ وصحابہ پاؤں دھویا کرتے تھے اور حدیث ویل للعقاب من النار یعنی جو ایڑیاں سوکھی رہ جاویں وضو کے اندر دھونے میں تو ان کی سزا یہ کہ دوزخ کی آگ سے جلیں گی۔ اس حدیث کو اتنی جماعت نے صحابہ میں سے روایت کیا کہ مرتبہ شہرت کو پہنچ گئی ہے اور حافظ الحدیث حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ صحابہ میں سے کسی نے پاؤں دھونے میں اختلاف ثابت نہیں سوائے حضرت علیؓ وابن عباس وانس بن مالکؓ کے کہ ان سے مسح کا قول ملتا ہے اگرچہ ان کا فعل ثابت نہیں کہ کھلے پاؤں پر کبھی انہوں نے مسح کیا ہو اور یہ بھی ثابت ہوا کہ ان لوگوں نے اس قول سے رجوع کیا ہے اور امام ابن جریرؒ نے اسی سے استدلال کیا کہ غسل اور دھونے میں وضو کرنے والے کو اختیار ہے انتہی کلامہ ابن العربی نے کہا کہ امت نے اتفاق کیا ہے کہ پاؤں دھونا وضو میں واجب ہے اور مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے اس سے خلاف کیا ہو اسوائے ابن جریر کے جو فقہائے مسلمین سے تھے اور ماسوائے ان کے اور لوگوں میں سے فرقہ رافضہ نے خلاف کیا ہے قال ابن کثیر قولہ تعالیٰ وارجلکم الی الکعبین۔ اس مین ارجلکم پہ نصب پڑھا گیا کہ عطف ہے وجوھکم وایدیکم پر اور عکرمہ نے ابن عباس سے روایت کی کہ ابن عباسؓ نے وارجلَکم پڑھا نصب کے ساتھ یعنی کہہ دیا کہ میں نے رجوع کیا کہ پاؤں دھونا واجب ہے-- قال المترجم اور پوشیدہ نہیں کہ ہر دو قرآتیں ثابت ہیں پس قرآن مجید جو سات حروف پر نازل ہوا ازانجملہ یہ بھی ہے کہ قرآۃ بالنصب وبالجر یہاں مفید یہاں دو احکام ہے اور مفسر نے مقدمہ میں اس کو مشرح لکھا ہے پس اسکو غلط وخلاف صواب ٹھرانا جیسا کہ کمالین سے ظاہر ہوتا ہے بعید ہے اس لئے کہ قرآۃ بالنصب کے ساتھ احادیث متواترہ یا مشہورہ مفید غسل ہیں اور قرآۃ بالجر کے ساتھ کوئی حدیث وسنت نہیں ہے[43]۔

خلاصۃ البحث: اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سید امیر علیؒ ملیح آبادی نے مواھب الرحمان میں بنیادی طور پر تفسیر بالماثور کا طریق اپنایا ہے اور آنحضور ﷺ کی سنت اور صحابہؓ وتابعینؒ کے اقوال سے تفسیر بیان کی ہے۔ چنانچہ آپؒ نے اپنے تفسیری اصولوں میں سے علم قرآۃ سے بھی استدلال اور استفادہ کیا ہے۔ مولانا نے قرآۃ سے تفسیری استدلال کرتے وقت لغوی، نحوی اور صرفی توجیہ بیان کر دی ہے اور بعض جگہ پر نحویوں کی طرف سے ہونے والے اعتراضات کا جواب بھی مدلل دیا ہے۔ آپؒ نے بہت سے مقامات پر متواتر قرآت کا بھی ذکر نہیں کیا ہے جیسے واخذنا الذین ظلموا بعذاب بئیس بماکانوا یفسقون (سورۃ الاعراف) کی تفسیر بیان کی قرآت سے تفسیر میں استفادہ کیا ہے مگر ذکر نہیں کیا ہے اور کہیں متواتر اور شاذ کا فرق واضح نہیں کیا ہے۔ مولانا نے قرآت کا احاطہ نہیں کیا ہے۔ آپؒ نے قرآت کے بنیادی اور فنی مصادر کی طرف رجوع نہیں کیا ہے۔ ایسے ہی قرآت میں یکسانیت کو بھی بیان نہیں کیا ہے۔ کسی کسی مقام پر بضرورت قرآت کا دفاع کیا ہے اور اسکے لئے دلائل بھی ذکر کئے ہیں اور قرآت شاذہ جس مقام پر حجت نہیں ہے وہاں پر دلائل سے یہ بات بیان کی ہے کہ قرآت شاذہ حجت نہیں ہے۔

---

[43] سید امیر، علیؒ مواھب الرحمان، پارہ نمبر 6 ج 2 ص 58-61